دھنک

غلام عباس

از

غلام عباس

سجاد کامراں

۷-ایچ، بلاک ۶-پی-ای-سی ہاؤسنگ سوسائٹی-کراچی ۲۹

ناشر : سجاد کامران کراچی

مطبع : انصاری پرنٹنگ پریس

طبع اول : جون ۱۹۶۹ء

تعداد اشاعت : ایک ہزار

قیمت خاص اڈیشن (محدود): سات روپے

عام اڈیشن: تین روپے پچاس پیسے

عرض حال

یہ افسانہ میں نے آج سے دو سال قبل لکھا تھا ۔ اس وقت میں تصور بھی نہ کر سکتا تھا کہ اجرام فلکی کی تسخیر کے لئے انسانی مہمات اس قدر شدت اختیار کرلیں گی کہ اگلے دو ھی برس میں انسان کا چاند پر پہنچنا ممکن ہو جائے گا ۔ اور اس کے ساتھ ھی ٹیلی ویژن کی نشریات میں بھی اس قدر ترقی ھوجائیگی کہ اس کے ذریعے ساری دنیا انسان کی اس فیروز مندی کا "تماشہ" دیکھ سکے گی ۔

میں چاھتا تو افسانے میں ترمیم و تنسیخ کر کے اسے جدید ترین حالات کے مطابق بنا سکتا تھا ۔ لیکن چونکہ میں نے تسخیر قمر کو محض انسان کی انتہائی ترقی کے Symbol (علامت) کے طور پر استعمال کیا ھے حقیقت پسندانہ نقطہ نظر سے نہیں، اس لئے ان تبدیلیوں سے افسانے کے نفس مضمون میں کچھ فرق نہ پڑتا ۔ چنانچہ میں نے اسے جوں کا توں ھی رھنے دیا ھے یعنی جیسا کہ آج سے دو سال پہلے میرے تخیل میں اس کا نقش ابھرا تھا ۔

حکیم الامت علامہ اقبال رح کی تعلیمات کے زیر اثر میں نے خود کو کبھی کسی فرقے سے وابستہ نہیں کیا۔ بلکہ ملت اسلامیہ کا ایک فرد سمجھا ہے۔ اپنی اس حیثیت سے میں نے ملت کے مستقبل کے بارے میں جو خدشات محسوس کئے، اُن کا اظہار ایک افسانے کے پیرائے میں کیا ہے کہ یہی میرا فن ہے۔

حضرت علامہ اقبال نے غیر منقسم ہندوستان میں اہل وطن کی بے حسی، نا اتفاق اور فرقہ بندی کو دیکھتے ہوئے انہیں خبردار کیا تھا :

نہ سمجھو گے تو مٹ جاؤ گے اے ہندوستاں والو!
تمہاری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

میں نے بھی کچھ اسی قسم کے حالات سے متاثر ہو کر یہ افسانہ لکھا ہے۔ اس سلسلے میں مجھے اتنا اور عرض کرنا ہے کہ اس افسانے میں مسلمانوں کے کسی خاص فرقے یا جماعت یا کسی خاص شخصیت کو ھدف نہیں بنایا گیا۔ اور اگر کہیں مماثلت نظر آئے تو اسے محض اتفاقیہ سمجھا جائے۔

یکم جون ۱۹۶۹ء　　　　غلام عباس

۱

یہ بیسویں صدی کے اواخر کی ایک شب کا ماجرا ہے۔ ہوٹل موہن جو ڈارو کی اکہترویں منزل پر جو سب سے اونچی اور ''باغیچہ آویزاں'' کے نام سے موسوم ہے، ارباب حکومت کی جانب سے ایک پرتکلف ضیافت نیم شبی دی جا رہی ہے۔ مہمانوں میں دنیا بھر کے ملکوں کے سفیر سائنس دان، مفکر اور صحافی شامل ہیں۔

ہوٹل کی چھت پر کھلے آسمان کے نیچے کمخواب کا ایک شامیانہ جس کے کناروں پر موتیوں کی خوش نما جھالر لگی ہے جڑاؤ استادوں پر نصب کیا گیا ہے۔ شامیانے کے نیچے رنگارنگ قالینوں کا فرش بچھا ہے۔ یہ وہی قالین ہیں جو پٹ سن کے سنہرے ریشے سے بنائے جاتے ہیں۔ اور اپنی نفیس بنت، پائیداری اور نقش و نگار کی دل آویزی کے باعث دنیا بھر میں شہرت رکھتے ہیں۔ ان قالینوں پر تھوڑے تھوڑے فصل سے کشادہ اور آرام دہ مخملی صوفے رکھے ہیں جن پر معزز مہمان اپنی بیگمات کے ساتھ متمکن ہیں۔

یہ مہمان جو پانچ براعظموں کے مختلف تمدنوں کی نمائندگی کرتے ہیں اپنا اپنا پروقار قومی لباس پہنے ہوئے ہیں۔ انکے جدا جدا ناک نقشے، انکی مخصوص حرکات و

سکنات، انکی الگ الگ بولیاں، ہر ملک کی عورت کا جداگانہ حسن، اس کی مختلف طرز آرائش و زیبائش، اُس کے مخصوص کرشمہ وادا دیکھنے والوں پر ایک محویت کا عالم طاری کر دیتے ہیں۔

ہر چند بظاہر کوئی ہنڈا، بلب، گیس یا ٹیوب لائٹ دکھائی نہیں دیتی۔ پھر بھی سارا پنڈال بقعہ نور بنا ہوا ہے۔ جابجا فوارے چھوٹ رہے ہیں جنکی پھواروں پر رنگ برنگی شعاعیں پڑ رہی ہیں۔ "باغیچہ آویزاں" میں قسم قسم کے پیڑ پودے کثرت سے لگائے گئے ہیں۔ جنکے پھولوں کی ملی جلی خوشبو دلوں میں ایک نشاط کی کیفیت پیدا کر رہی ہے۔

مہمانوں کے وسط میں ایک اونچی گول میز پر جو کارچوبی کے کام کے ایک بیش قیمت میزپوش سے مزین ہے، ایک بڑا سا خوبصورت ریڈیو سٹ رکھا ہے۔ اس سٹ کے اندر چاروں طرف اسپیکر اس ترکیب سے لگائے گئے ہیں کہ ہر شخص کو خواہ وہ کسی سمت بیٹھا ہو آواز صاف سنائی دے سکے۔

اس وقت ریڈیو سے آرکسٹرا کی موسیقی نشر ہو رہی ہے جس کی دھن اس تقریب کے لئے خاص طور پر باندھی گئی ہے۔ اور وہ تقریب کیا ہے؟ وہ یہ کہ آج رات پونے دو سے لیکر دو بجے کے درمیان کسی وقت پاکستان کا پہلا خلاپیما

چاند پر اُتر جائیگا ۔ اور اُسکی اس بے نظیر کامیابی کا حال اور چند پر اُسکے مشاهدات براہ راست اُسی کی زبان سے نشر کئے جائینگے ۔

گو دنیا کے بعض ممالک پچھلے کئی برس سے چاند پر پہنچنے کی کوشش کر رہے تھے ۔ مگر اس امر میں اولیت حاصل کرنا پاکستان کی قسمت میں لکھا تھا ۔ جب پاکستان نے تسخیر قمر کے سلسلے میں اپنے عزم کا اعلان کیا تو پہلے تو ان ملکوں کے سربراهوں کو یقین هی نہیں آیا کہ پاکستان نے اس میدان میں اس قدر ترقی کرلی ہے ۔ مگر جب انکے سفیروں نے جو پاکستان میں مقیم تھے پاکستان کے اس ارادے کی تصدیق کردی تو اُنکی حیرت کی انتہا نہ رهی ۔ اور اُنھوں نے اپنے اپنے هاں کے سائنس دانوں اور دانشوروں کو اس تقریب کا حال بچشم خود دیکھنے کے لئے یہاں بھیج دیا ۔

اس وقت رات کا ایک بج چکا ھے مگر دنیا کے دور دراز حصوں سے آئے هوئے ان مہمانوں میں سے کسی کے چہرے سے بھی تھکاوٹ یا کسل مندی کے آثار ظاهر نہیں هوئے ۔ اسکے برعکس جوں جوں وقت گزرتا جاتا ھے وہ پہلے سے بھی زیادہ چاق و چوبند نظر آرہے هیں ۔

هوٹل کے خدام زرنگار وردیاں پہنے هلکے پھلکے طعام اور مشروبات کے طشت اُٹھائے مہمانوں کی تواضع میں

مصروف ھیں۔ کچھ لوگ باھم گفتگو کر رھے ھیں۔ کچھ ریڈیو کی موسیقی سن رھے ھیں جس کا سلسلہ کبھی کبھی منقطع ھو جاتا ھے اور اناؤنسر آج رات کے پروگرام کی تفصیل یا کوئی مقرر چاند کی مہم کے سلسلے میں ابتدائی کامیابیوں کا حال سنانے لگتا ھے۔ کچھ مہمان جب بیٹھے بیٹھے آکتا جاتے ھیں تو شامیانے سے باھر نکل کر ''باغیچہ آویزاں،، کی پر فضا روشوں پر ٹہلنے یا گرد و نواح کا منظر دیکھنے لگتے ھیں۔ یوں تو شہر میں کئی عمارتیں ھوٹل موھن جو ڈارو سے بھی اونچی ھیں، مگر مضافات اور سمندر کا جیسا دلفریب نظارہ ''باغیچہ آویزاں،، سے دکھائی دیتا ھے اور کہیں سے دکھائی نہیں دیتا۔ خصوصاً رات کے وقت تو جہازوں اور جزیروں کے مکانوں کی روشنیاں دور سے جھلملاتی ھوئی بہت ھی بھلی معلوم ھوتی ھیں۔

اس وقت فروری کا چاند اپنی پوری تابندگی کے ساتھ روئے زمین پر خنک چاندنی بکھیر رھا ھے۔ آسکا نظارہ بجائے خود ایک عجیب جاذبیت رکھتا ھے۔ مہمانوں کی نظریں بار بار آسکی طرف اٹھ جاتی ھیں اور وہ موجودہ تقریب کی مناسبت سے اور بھی محویت کے ساتھ آسے دیکھنے لگتے ھیں۔

آخر ڈیڑھ بجے کے قریب ریڈیو پر اعلان کیا گیا کہ سب مہمان اپنی اپنی نشستوں پر آ کر بیٹھ جائیں۔ اس وقت مہمانوں کے اشتیاق کی کیفیت دیکھنے سے تعلق

رکھتی ہے، خصوصاً بعض خواتین پر تو اضطراب کی سی حالت طاری ہے جس پر قابو پانے کے لئے انہوں نے اپنی مٹھیاں بھینچ رکھی ہیں۔ دم بھر میں سب لوگ جو ادھر ادھر بکھرے ہوئے تھے اپنے اپنے صوفوں پر آ کر بیٹھ گئے۔ سب نے کان ریڈیو کی آواز پر لگا دئیے۔ کچھ وقت اور انتظار میں گزرا۔ اس کے بعد اناؤنسر کی آواز یہ اعلان کرتی ہوئی سنائی دی:

''اب ہم اپنے سننے والوں کو چاند پر لئے چلتے ہیں جہاں اس وقت اجرام فلکی پر انسانی فتوحات میں ایک نیا اور انوکھا اضافہ ہونے کو ہے۔ لیجئے ہمارے خلا پیما جو اس مہم کو سر کر رہے ہیں آپ سے مخاطب ہوتے ہیں۔''

اس اعلان کے ساتھ ہی ریڈیو سے ایسی گھڑ گھڑاہٹ سنائی دینے لگی جیسی کسی دور دراز ملک کے اسٹیشن کو ''پکڑتے،، وقت سنائی دیا کرتی ہے۔ اس فضائی گڑ بڑ کا سلسلہ چند لمحے جاری رہا۔ اس کے بعد ایک انسانی آواز اس شور میں سے ابھرنی شروع ہوئی۔ پہلے پہل الفاظ صاف سنائی نہ دیئے مگر رفتہ رفتہ واضح ہوتے گئے:

''میں کیپٹن آدم خان سکنہ ضلع جھنگ عمر پینتیس (۳۵) سال آپ سے مخاطب ہوں۔ میرا خلائی جہاز اس وقت چاند کی سطح سے صرف پانچ ہزار فیٹ کی بلندی پر رہ گیا ہے۔ جہاز کی رفتار پچھتر میل فی گھنٹہ کر دی گئی ہے۔ مجھکو چاند

کی سطح بہت صاف نظر آرہی ہے۔ یہ وہی سرزمین ہے۔
جسے سائنس داں ''طوفانوں کے سمندر،، کے نام سے موسوم
کرتے ہیں ۔ عجیب نظارہ ہے پرہول بھی اور دلکش بھی۔
لیجئے اب بلندی صرف دو ہزار فیٹ رہ گئی ہے۔ جہاز کی
رفتار چالیس میل فی گھنٹہ ہے۔ مجھے اس سفر میں بحمداللہ
کسی قسم کا حادثہ پیش نہیں آیا ۔ خدا نے چاہا تو میرا جہاز
حسب توقع آہستگی کے ساتھ چاند پر آتر جائے گا......اب
میں ایک ہزار فیٹ سے بھی کم بلندی پر ہوں۔ جہاز کی
رفتار بتدریج بہت کم کی جا رہی ہے......لیجئے اب میں
صرف سات سو فیٹ چاند کی سطع سے بلند ہوں ..... پانچ سو
فیٹ......رفتار دس میل فی گھنٹہ......صرف اڑھائی سو فیٹ
......سو فیٹ......الحمداللہ کہ میرا خلائی جہاز صحیح
سلامت چاند کی سطح پر آتر گیا ہے......اس وقت پاکستانی
گھڑیوں کے مطابق رات کا ایک بج کر اڑتالیس منٹ اور
چار سیکنڈ آئے ہیں ۔ پاکستان زندہ باد!''

جلسے کے تمام شرکا نے جو دم سادھے بیٹھے تھے اور
جنکے دل کی دھڑکن پل پل میں تیز سے تیز تر ہوتی جارہی
تھی ایک ساتھ اطمینان کا لمبا سانس لیا ۔ ریڈیو سے خلا
پیما کی آواز سنائی دینی بند ہو گئی۔ اور آسکے بجائے قومی
ترانہ بجنا شروع ہوا۔ سب لوگ تعظیماً کھڑے ہوگئے۔
جب ترانہ ختم ہوا تو جلسے کا پنڈال تالیوں کے شور اور نعرہ
ھائے تحسین و آفرین سے گونج آٹھا۔ غیر ملکی سفیر، سائنس
داں او ر اھل دانش اپنی نشستوں سے اٹھ اٹھ کر ارباب

حکومت کے پاس جانے اُن سے مصافحہ کرنے اور اُنہیں مبارک باد دینے لگے۔ یہ سلسلہ کچھ دیر جاری رہا۔ اس کے بعد ریڈیو سے پھر پہلے کی طرح گھڑگھڑاہٹ سنائی دینے لگی۔ سب مہمان جلدی سے پھر اپنی اپنی جگہ آبیٹھے ابکے کیپٹن آدم خان کی آواز پہلے سے بھی زیادہ صاف سنائی دی :

''ابھی ابھی میں نے اپنا قومی پرچم ''طوفانوں کے سمندر'' کی سرزمین پر گاڑ دیا ہے۔ چاند کی سطح جمی ہوئی بھوبل کی طرح ہے، کہیں سخت کہیں نرم مگر اُس میں پاؤں نہیں دھستے جا بجا دراڑیں اور گڑھے ہیں۔ کہیں کہیں یہ گڑھے بہت بڑے بڑے ہیں جیسے آتش فشاں پہاڑوں کے دہانے ہوں۔ پرچم گاڑنے کے مقدس فریضے سے فارغ ہوکر میں نے سب سے پہلے اُسکے سائے میں اُس خدائے لم یزل کے حضور نماز شکرانہ ادا کی جسکے فضل و کرم سے آج ہمارے ملک نے اپنا صحیح مقام پالیا ہے۔ اور اب وہ دنیا کے سب سے زیادہ ترقی یافتہ اور طاقتور ممالک کی صف میں شامل ہو گیا ہے۔ پاکستان پائندہ باد!''

جلسے کا پنڈال ایک مرتبہ پھر نعرہ ہائے تحسین و آفرین سے گونج اُٹھا۔ جب شور تھما تو خلا پیما کی آواز یہ کہتی ہوئی سنائی دی :

''آپکو یہ تو معلوم ہی ہوگا کہ چاند میں دو ہفتے کا دن ہوتا ہے اور دو ہفتے کی رات۔ یہاں اس وقت دن ہے جس کو شروع ہوئے ہمارے حساب سے تقریباً چھتیس گھنٹے

گزر چکے ہیں ۔ میرے پاس اتنی آکسیجن موجود ہے کہ میں یہاں چاند کا پورا ایک دن بسر کر سکوں ۔ اور میرے خلائی جہاز میں اتنا ایندھن ہے کہ وہ مجھے بفضل خدا خیر و عافیت کے ساتھ وطن پہنچاسکے......

''لیجئے اب میں آپ سے یہاں کے گرد و پیش کے حالات اور اپنے مشاہدات بیان کرتا ہوں...... ''

۲

ابھی سپیدہ سحر نمودار نہیں ہوا تھا کہ کراچی سے سینکڑوں میل دور ایک قصبے کی چھوٹی سی مسجد میں ایک ملا صاحب نماز فجر کے بعد نمازیوں سے کہہ رہے تھے:

''ابھی ابھی میں نے اپنے ٹرانسسٹر پر یہ اعلان سنا ھے کہ پاکستان کا کوئی مردود شخص چاند پر پہنچ گیا ھے خدا آسکو غارت کرے۔

''برادران اسلام۔ یہ صریح کفر ھے کہ جن اشیاء پر مشیت ایزدی نے اسرار و رموز کے حجاب ڈال رکھے ھیں آنہیں سائنس اور نام نہاد ترقی کے نام پر بے نقاب کیا جائے۔

''بھائیو۔ ھم نے اپنی اس چھچھوری حرکت سے باری تعالٰے کی جناب میں سخت گستاخی کی ھے۔ میرا دل گواھی دے رھا ھے کہ عنقریب ھم پر خدائے قہار کا غضب نازل ھونے والا ھے......''

گاؤں اور قصبوں ھی کے نہیں شہروں کے ملاؤں میں بھی اس خبر سے ھلچل مچ گئی۔ چنانچہ ایک شہر کی درسگاہ میں ایک ملا صاحب جو درپردہ شعر و سخن کا بھی مذاق رکھتے تھے، یوں نکتہ سنج تھے:

''باری تعالٰے نے انسان کو زمین پر خلیفہ بنا کر بھیجا اور یہ اختیار بخشا کہ جا وھاں جو جی میں آئے کرتا پھر۔ مگر انسان کا ناشکراپن اور اسکی ھوس ملک گیری دیکھو کہ اسے زمین کی لامحدود وسعتیں اپنے اعمال و افعال کے لئے تنگ معلوم ھوئیں۔ اور اس نے اپنے خالق ھی کے آستانہ خاص، آسکی آسمانی مملکت ھی پر جو چاند سورج اور ستاروں پر محیط ھے، غاصبانہ قبضہ جمانے کی ٹھان لی ھے......

''اللہ اللہ! انسان کے جنون نخوت کا کچھ ٹھکانہ ھے کہ آس نے فرشتوں کو تو صیدزبوں قرار دیکر چھوڑ دیا اور خود یزداں ھی پر کمندیں پھینکنی شروع کردیں۔ نعوذ باللہ من ذالک......''

اور پھر اگلے جمعہ کو دارالسلطنت کی وسیع جامع مسجد میں جہاں ھزاروں مسلمان نماز جمعہ کے لئے جمع ھوئے تھے شہر کے ایک شیوہ بیان خطیب للکار للکار کر اپنے خطبہ میں کہہ رھے تھے:

''مسلمانو۔ تمہاری درسگاھوں میں جو شیطانی علوم پڑھائے جا رھے ھیں جانتے بھی ھو آنکا لب لباب کیا ھے؟ آنکا لب لباب یہ ھے کہ مادہ مثل ذات باری تعالٰے ازلی ھے۔ یا ذات باری تعالیٰ (نعوذ باللہ) خود مادی ھے۔ تم نے دیکھا ان علوم نے رفتہ رفتہ کیا گل کھلایا! میرا اشارہ تسخیر قمر کی طرف ھے جسکی خبر تم نے ریڈیو پر سنی اور اخباروں میں پڑھی ھوگی۔ ھماری حکومت جو مغرب کی پیروی میں لادینیت کا

شکار ہوگئی ہے اپنی اس کامیابی پر پھولی نہیں سماتی حالاں کہ یہ سخت کافرانہ و ملحدانہ فعل ہے جس کا مرتکب شریعت کی رو سے واجب القتل ہے......

"مسلمانو۔ آج ہر طرف فسق و فجور کا بازار گرم ہے۔ زمین فتنہ و فساد کی آماج گاہ بنی ہوئی ہے۔ بے دینی بے غیرتی، بے حیائی، فحاشی، عیاشی اور کفر و الحاد کا دور دورہ ہے۔ اللہ کا کلمہ نیچا اور کفر کا بول بالا ہو رہا ہے۔ زناکاری، شراب خواری اور قمار بازی دھڑلے سے ہو رہی ہے۔ آلات لہو و لعب اور ناچ گانے کا عام رواج ہوگیا ہے۔ عورت کی آنکھ سے حیا اور جسم سے لباس کی قید اٹھ گئی ہے۔ یہ ساری علامتیں قرب قیامت کی ہیں......

"مسلمانو۔ وہ وقت جلد آنے والا ہے جب کلام اللہ دلوں، زبانوں اور کاغذوں سے اٹھا لیا جائے گا۔ زمیں جابجا شق ہو جائیگی۔ سمندر ابل پڑیں گے۔ پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر تیز ہوا سے ریت کی طرح اڑنے لگیں گے۔ گرد و غبار اور آندھیوں سے جہان تیرہ و تار ہو جائیگا۔ آسمان پھٹ جائیگا اور ستارے ٹوٹ ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہو جائینگے......

"مسلمانو۔ جاؤ گاؤں گاؤں قریہ قریہ شہر شہر لوگوں کو خبردار کردو کہ انسان من حیث القوم توبہ و استغفار کر لے کیونکہ قیامت آنے والی ہے......"

اور اس طرح ملاؤں نے اپنی لسانی اور زور خطابت سے عوام کو قرب قیامت کا ایسا یقین دلادیا کہ ہر شخص

ڈرا ڈرا سہما سہما نظر آنے لگا ۔ حکومت کے خلاف ہر طرف ایک بد دلی سی پھیلنے لگی ۔ ملاؤں کی تحریک روز بروز زور پکڑنے لگی ۔ ملک بھر میں جگہ جگہ پہلے چھوٹے چھوٹے پھر بڑے بڑے جلوس نکلنے لگے ۔ اسی طرح ان کے جلسوں کے شرکا کی تعداد بھی جلد جلد بڑھنے لگی ۔ جلد ھی دارالسلطنت میں ایک بھاری جلسہ منعقد کیا گیا جس میں حسب ذیل قرارداد منظور کی گئی :

”پاکستان کے عوام موجودہ نظام حکومت کو سخت کافرانہ اور فاسد اصولوں پر قائم تصور کرتے ھیں جس سے ھولناک نتائج نکلنے کا شدید خطرہ درپیش ھے۔ اس لئے وہ مطالبہ کرتے ھیں۔ کہ اس نظام کو فوراً بدلا جائے ۔ اور اس کے بجائے ملک میں قانون خداوندی رائج کیا جائے۔“

اس قرارداد نے یک بیک ارباب حکومت کو جیسے جھنجھوڑ کر رکھدیا ۔ جب تک ملاؤں کی تحریک تسخیر قمر کی مخالفت تک محدود رھی تھی، اُنھوں نے اُسے قابل اعتنا نہیں سمجھا تھا ۔ اور سچ یہ ھے کہ شروع میں اُنکے پاس اس طرف دھیان دینے کیلئے وقت بھی نہ تھا ۔ اُنکی توجہ تو تمام تر اُس خراج تحسین کو وصول کرنے میں لگی ھوئی تھی جو ساری دنیا اس محیرالعقول کامیابی اور سائنس میں اُنکی پیش روی پر اُنھیں ادا کر رھی تھی ۔ اور پھر وہ یہ بھی جاننا چاھتے تھے کہ اسکا عالمی سیاست اور خصوصاً ھمسایہ ممالک پر کیا اثر پڑا ھے۔ وہ ظاھر میں

کیا کہتے ھیں اور درپردہ آنکا ردعمل کیا ھے۔

چنانچہ ملاؤں کی اس تحریک پر عام طور پر خیال کیا گیا کہ اِن لوگوں کا کیا ھے۔ یہ تو سائنس کے ھر نئے انکشاف، ھر نئی اختراع کی شروع شروع میں ایسے ھی مخالفت کیا کرتے ھیں۔ مگر پھر رفتہ رفتہ خود ھی اسکو قبول کر لیتے اور اپنے تصرف میں لانے لگتے ھیں۔ چنانچہ آج بڑے بڑے خرقہ و عمامہ والے ملاؤں میں سے شاید ھی کسی کا گھر ٹیلیفون، ریڈیو یا ٹیلی ویژن سے خالی ھوگا۔ یا آن میں سے شاید ھی کوئی ایسا ھوگا جو دینی نشریات میں اپنے لئے وافر حصے کا طاب‌گار نہ ھو۔ یا جو کسی سرکاری یا قومی دورے کے سلسلے میں ھوائی جہاز کو نقل و حرکت کے دوسرے ذرائع پر ترجیح نہ دیتا ھو۔

اور تو اور آج مساجد تک میں لاؤڈ اسپیکر جسے یہ لوگ تلفظ کی سہولت کے لئے ''آلہ مکبرالصوت'' کے نام سے یاد کرتے ھیں، اذان، خطبہ اور دینی تقریبات کی تشہیر کا ایک جزو لاینفک ھے۔ اسلئے عجب نہیں کہ چند ھی روز میں وہ تسخیر قمر کو بھی قبول کرلیں۔ اور پھر کون کہہ سکتا ھے کہ آئندہ جب کبھی چاند میں سب سے پہلی مسجد کے افتتاح کا موقع آئے تو ھر ملا اس مقدس فریضہ کے اداکرنے کا خود کو دوسروں سے کہیں زیادہ اھل ظاھر نہ کریگا۔

لیکن اب جو اس تحریک نے ایک نیا ھی رنگ اختیار کر لیا تو ارباب حکومت کو سخت تشویش ھوئی۔

اور انہوں نے اخبارات اور ریڈیو کے ذریعے حکومت کا موقف واضح کرنے کی کوشش کی - اسی سلسلے میں ایک مفکر سے ''سائنس اور اسلام'' کے عنوان سے ریڈیو پر ایک زوردار تقریر بھی نشر کرائی- جس میں مفکر نے کہا :

''ہمارے ملا صاحبان سائنس کو کفر و الحاد سے تعبیر کرتے ہیں - اور اسکے درس و تدریس کو گناہ قرار دیتے ہیں - حالانکہ اللہ تعالیٰ نے قران حکیم میں جابجا ارشاد فرمایا ہے کہ کائنات کو مسخر کرو - ہواؤں پر حکم چلاؤ - چاند اور سورج کی شعاعوں کو اپنی گرفت میں لاؤ - زمین کے سینے سے اسکے ان گنت خزانے نکالو - اور سمندر کی طوفانی موجوں کو تابع فرمان بناؤ.....تسخیر قمر ان ھی ارشادات خداوندی کی تعمیل کی ایک کوشش ھے......''

ایک پمفلٹ میں جسکا عنوان ''برچھی سے ایٹم بم تک'' تھا، مضمون نگار نے موجودہ زمانے کے تقاضوں پر یوں روشنی ڈالی:

''حضور سرور کائنات کے زمانے میں تیر اندازی، شمشیر زنی اور شہسواری کی مہارت مسلمانوں کے لئے ایک مقدس فریضے کی حیثیت رکھتی تھی - کیونکہ اس سے دین حق کی حفاظت مقصود تھی - اگر آنحضرت صلعم موجودہ زمانے میں ہوتے اور دیکھتے کہ کس طرح باطل کی قوتیں چاروں طرف سے اسلام کو اپنے نرغے میں لینا چاھتی

ھیں تو وہ اُن سے نبرد آزما ہونے کیلئے ٹینک اور ہوائی جہاز تو کیا راکٹ، میزائل بلکہ ایٹم بم تک کے استعمال کو ہر مومن کے ایمان کا جزو قرار دیتے......''

مگر ملاؤں کی تحریک اب اسقدر زور پکڑ چکی تھی کہ محض بیانات سے اس کا مداوا ہونا مشکل تھا۔

اُدھر جب کیپٹن آدم خان چاند کی مہم سر کر کے اپنے خلائی جہاز سمیت صحیح سلامت وطن واپس پہنچ گیا۔ تو اُسکی بڑی آؤ بھگت کی گئی۔ اُسے قومی ہیرو قرار دیا گیا۔ اُس کا استقبال ایک فاتح کی حیثیت سے کیا گیا۔ اور اُسکے فوجی مناصب میں جلد جلد ترقی دیکر اُسے پہلے میجر اور پھر کرنیل بنا دیا گیا۔ علاوہ ازیں ملکی و غیر ملکی اخبارات میں اُسکی ان گنت تصویریں اور انٹرویو چھاپے گئے۔ ایک تصویر جو خاص طور پر بڑی مقبول ہوئی اُس موقع کی تھی جبکہ ایک غیر ملکی سفیر کی بیوی پاکستانی خلا پیما کی اس عدیم النظیر بہادری پر وفور جذبات سے مغلوب ہو کر اُس کا منہ چوم رہی تھی۔ ہر چند اس میں بڑا معصوم سا جذبہ کار فرما تھا۔ مگر ملاؤں نے جو آدم خان کو مردود اور گردن زدنی سمجھتے تھے، اسے کچھ اور ہی معنی پہنا کے خوب اُچھالا۔ اور اسی سلسلے میں حزب اختلاف کے بعض اراکین سے ساز باز کر کے قومی اسمبلی میں ایک تحریک التوا بھی پیش کروا ڈالی۔

اس سے ملک میں اور بھی انتشار پھیل گیا۔ ملاؤں

کے حوصلے پہلے سے بھی بڑھ گئے - اور انہوں نے جلد ہی اپنا ایک ملک گیر کنونشن منعقد کر ڈالا - جس میں متفقہ طور پر حکومت کے ارباب حل و عقد سے مطالبہ کیا گیا - کہ چونکہ وہ کافر و بے دین ہیں - اور مملکت خداداد پاکستان کی سربراھی کی اھلیت نہیں رکھتے، اس لئے ان کو فوراً مستعفی ھو جانا چاھئے -

جس عظیم الشان جلسے میں یہ قرار داد پیش کی گئی اس میں بڑی بڑی جوشیلی تقریریں سننے میں آئیں - ایک ملا صاحب حاضرین سے یوں خطاب کر رہے تھے :

''حیف صد حیف کہ ارباب حکومت نے ھماری تنبیہ کو پرکاہ کے برابر بھی وقعت نہیں دی - لیکن دوستو اب تبیہات کا وقت گزر چکا ھے اور وہ ساعت آپہنچی ھے کہ ملک کی زمام کار ملحدوں اور خدا کے باغیوں سے چھین لی جائے - اور حکومت کی سربراھی مومنین اور صالحین کے ھاتھوں میں ھو - پس اے مسلمانو اٹھو - اس کافرانہ تہذیب کے علم برداروں سے عنان اقتدار چھین لو - اور چار دانگ عالم میں دین الہی کا ڈنکا بجا دو ......

''کیا تم جاننا چاھتے ھو کہ ھم کیسی حکومت چاھتے ھیں؟ آؤ میں تمہیں اسکی ایک جھلک دکھاؤں۔ اس حکومت میں کوئی فقیر نہیں ھوگا، لاوارثا نہیں ھوگا کیونکہ یہ حکومت خود اس کا مائی باپ ھوگی - زمین کا مالک اللہ اور صرف اللہ ھوگا۔ نہ مزارع ھوگا نہ زمیندار......اگر

ایسی بادشاہت چاہتے ہو تو مسلمانو اس زور سے نعرہ تکبیر لگاؤ کہ ایوان کفر کے درو بام متزلزل ہو جائیں'' ۔

اور واقعی حاضرین جلسہ نے اس زور سے نعرہ تکبیر بلند کیا کہ دور دور تک راہگیر چلتے چلتے تھم گئے ۔ اور گردنیں اٹھا اٹھا کے دیکھنے لگے کہ یہ شور کیسا ہے !

اسکے بعد ایک چھوٹے سے قد کے ملا جنکی تقریر کا موضوع ''فی سبیل اللہ جہاد'' تھا بڑے جوش سے اچھل اچھل کر کہنے لگے :

''ہم اللہ کے سپاہی ہیں ۔ حکومت نے ہم کو سمجھا کیا ہے ۔ وہ ہماری طاقت سے بے خبر ہے ۔ اگر ہم نہ چاہیں تو نہ کہیں شادی بیاہ ہو ، نہ میت کی تجہیز و تکفین عمل میں آئے ۔ حکومت لاکھ اعلانات کرتی پھرے میں کہتا ہوں دوربینیں لگا لگا کے دیکھے ۔ ہوائی جہازوں میں بادلوں سے اوپر اوپر پرواز کرے ۔ ٹیلیفون کے ذریعے دوسرے شہروں سے شہادتیں فراہم کرائے مگر جب تک ہم اپنی ان گناہگار آنکھوں سے ہلال کو نہ دیکھ لیں نہ عید کی خوشی ہو نہ محرم کا سوگ ۔ حکومت اس باب میں بارہا ہم سے متصادم ہوکر ہماری طاقت کا اندازہ کر چکی ہے ...... ''

جب یوں کھلم کھلا نعرہ بغاوت بلند ہونے لگے تو کون حکومت اسے ٹھنڈے پیٹوں گوارا کرلیگی ! چنانچہ ان تمام مقررین کو جنہوں نے اس جلسے میں اشتعال انگیز

تقریریں کی تھیں ، نقص امن کے خطرے کے تحت راتوں رات
ان کے ٹھکانوں سے گرفتار کر لیا گیا - اور ملک بھر میں
دفعہ ۱۴۴ (ایک سو چوالیس) نافذ کردی گئی جسکی رو
سے لاٹھیوں، تلواروں، برچھی بھالوں اور دوسرے ہتھیاروں
کو لیکر چلنا، اینٹ پتھر تیزاب اور سوڈے کی بوتلوں کو
دنگے فساد کی غرض سے جمع کرنا، پانچ یا زیادہ اشخاص کا
اکھٹا ھونا ممنوع قرار دیا گیا -

ان گرفتاریوں نے اور بھی آگ بھڑکا دی - حکومت
کے اس فعل کو مداخلت فی الدین سمجھا گیا - لوگ اپنے
مذھب سے خواہ کتنے ھی بیگانہ کیوں نہ ھوں، مگر ایک
مرتبہ جب اُن کو یقین دلا دیا جائے کہ یہ اُن کے دین
کی حرمت کا سوال ھے - تو یکبارگی اُنکے مذھبی
احساسات بیدار ھو جاتے ھیں - اور وہ ایک جنون
کی سی کیفیت میں دین کی خاطر جان تک دے
دینے سے دریغ نہیں کرتے - یہی حال اس تحریک
کا ھوا - عوام میں ھر طرف ناراضگی پھیل گئی لیکن
چونکہ جلسوں جلوسوں پر پابندی عائد تھی اور وہ برملا
غم و غصے کا اظہار نہ کر سکتے تھے اس لئے وہ ایک
ایک دو دو کر کے مسجدوں میں پہنچنے لگے - اور خود کو
ملاؤں کی تحریک سے وابستہ کرنے لگے - رفتہ رفتہ تمام
مسجدیں سیاسی کارروائیوں کا مرکز بن گئیں - دن رات
رھنماؤں میں مشورے ھونے لگے - نمازیوں کو کھلم کھلا
سرکشی پر آمادہ کیا جانے لگا - جب ملاؤں کو یقین ھو

گیا کہ عوام پورے طور پر ہمارے ساتھ ہیں تو انہوں نے ایک خاص دن ان گرفتاریوں کے خلاف احتجاج کرنے کے لئے مقرر کر دیا۔ اعلان میں کہا گیا ۔ کہ اس روز سارے ملک میں ہڑتال کی جائیگی ۔ اور حکومت کی نافذ کردہ دفعہ ۱۴۴ (ایک سو چوالیس) کو توڑنے کے لئے شہر کی ہر مسجد سے نماز فجر کے بعد جتھے روانہ ہونگے جن میں شرکا کی تعداد پانچ سے کسی صورت میں کم نہ ہوگی ۔

یوم احتجاج کی صبح کو ابھی اندھیرا ہی تھا کہ حکومت نے شہر کی تمام چھوٹی بڑی مساجد کے باہر پولیس کی بھاری جمعیتیں متعین کردیں ۔ حسب اعلان نماز فجر کے بعد نمازیوں کے جتھے مسجدوں سے نکلنے شروع ہوئے ۔ ہر شخص کو پھولوں کے ہار پہنائے گئے تھے ۔ اور اس کے کپڑوں پر عرق گلاب چھڑکا گیا تھا ۔ پولیس نے ان لوگوں کو دھڑا دھڑ گرفتار کرنا شروع کر دیا ۔ صرف ایک گھنٹے کے اندر ملک کے طول و عرض میں دس ہزار سے اوپر گرفتاریاں عمل میں آچکی تھیں۔ پھر بھی ان جتھوں کے کم ہونے کے آثار نظر نہ آتے تھے ۔ لوگ تھے کہ خود کو گرفتار کرانے کے شوق میں جوق در جوق چلے آتے تھے شہروں سے، قصبوں سے، دیہات سے ۔ بعض سروں پر کفن باندھے ہوئے تھے، بعض درود شریف پڑھتے چلے آتے تھے ۔ معلوم ہوتا تھا کہ کوئی جوالا مکھی پہاڑ پھٹ پڑا ہے جس سے انسانی لاوا بہتا چلا آرہا ہے۔

یہ تو تھا دفعہ ۱۴۴ (ایک سو چوالیس) کے توڑنے

والوں کا حال ۔ اب هڑتال کرانے والوں کا ماجرا سنئے ۔ یہ لوگ جن میں بہت سا عنصر غنڈوں اور آوارہ گرد لڑکوں کا شامل ہوگیا تھا، صبح ہوتے هی بازاروں اور گلی کوچوں میں چکر لگانے لگے ۔ رضاکاروں نے گذشته رات هی کو شہر کے هر حصے میں لاؤڈ اسپیکروں کے ذریعے هڑتال کا اعلان کر دیا تھا ۔ نتیجه یه هوا که بہت سے دکاندار فساد کے ڈر سے گھروں هی سے نه نکلے ۔ اور اگر کچھ لوگوں نے پولیس کے اصرار اور حفاظت کی یقین دھانی پر دکانیں کھولیں بھی ۔ تو هڑتالیوں کے مشتعل گروہ فوراً موقع پر پہنچ گئے ۔ اور لوٹ مار کی دھمکی دیکر دکانوں کو بند کرا دیا ۔ اگر کہیں پولیس نے مزاحمت کی تو اُس پر اینٹیں اور پتھر برسائے گئے ۔ پولیس نے پہلے زیادہ سختی اختیار نه کی ۔ جب اُسکے سمجھانے بجھانے سے هجوم منتشر نه هوتا ۔ تو وہ هلکا سا لاٹھی چارج کر دیتی ۔ لوگ ادھر اُدھر بکھر جاتے ۔ لیکن تھوڑی هی دیر میں پھر آ موجود هوتے ۔ رفته رفته دونوں طرف تندی اور درشتی پیدا هونے لگی، حالات نازک صورت اختیار کرنے لگے ۔

یه هڑتالی دکانیں هی بند نہیں کرا رهے تھے بلکه بسوں ٹیکسیوں اور رکھشاؤں کو روک بھی رهے تھے ۔ ان هنگاموں میں دو بسوں اور آٹھ رکھشاؤں کو جلا دیا گیا ۔ جن بسوں کے شیشے توڑے گئے ۔ اُنکا تو کچھ حساب هی نه تھا ۔

کچھ لوگوں نے سرکاری دفتروں اور غیر ملکی سفارت

خانوں کا رخ کیا - اور انہیں آگ لگانے لگے - حکومت کے لئے یہ بڑا نازک وقت تھا - جب پولیس کا لاٹھی چارج اور آنسو گیس اس سیلاب کو نہ روک سکا - تو اسے گولی چلانے کا حکم دیا گیا - اور جب صورت حالات پولیس کے قابو سے باہر ہو گئی - تو فوج بلوائی گئی - یہی واقعہ کئی شہروں میں پیش آیا - ہر جگہ کرفیو لگا دیا گیا - مگر فتنہ و فساد اور بلووں کا سلسلہ ختم نہ ہوا - شام ہوتے ہوتے تقریباً پچاس ہزار رضاکار گرفتار ہو چکے تھے - اور سینکڑوں جانیں آتشیں اسلحہ کی نذر ہو گئی تھیں ......

۳

ملاؤں نے روئے زمین پر خدا کی بادشاهت کا جو تصور پیش کیا تھا وہ اب حقیقت بن چکا ھے۔

پچھلی حکومت کے مستعفی ھونے کے بعد سب سے پہلے بالغ رائے دهندگان کے ووٹوں سے ایک امیر چنا گیا ۔ اور اُسے دنیا پر خدا کے نائب کی حیثیت دی گئی ۔ انتخاب کا مسئله بڑا هنگامه خیز ثابت هوا تھا ۔ اور سارا ملک جیسے ایک بحران کی لپیٹ میں آگیا تھا ۔ مگر شکر ھے که بالآخر یه مصیبت ٹل گئی ۔ هوا یه که جب تک ملا صاحبان حکومت سے برسر پیکار رھے، اُن میں اتحاد بھی رھا اور یک جہتی بھی ۔ مگر جیسے ھی عام انتخاب منعقد کرنے کا اعلان ھوا ھر شخص حصول اقتدار کیلئے مضطرب ھو گیا ۔

ملک بھر میں بہت سی جماعتیں الیکشن لڑنے کے لئے اُٹھ کھڑی ھوئیں ۔ ھر جماعت نے اپنا اپنا لائحه عمل، اپنے اپنے قواعد و ضوابط اور اپنی اپنی مخصوص وردی وضع کرلی ۔ اور پھر جتھے بنا بنا کر اپنے اپنے امیر کے گن

گاتی گلی گلی کوچے کوچے پھرنے لگی - جلسے جلوس، پوسٹر بازی غرض وہ وہ ھنگامے ھوئے کہ باید و شاید - الیکشن میں جن جماعتوں نے بڑھ چڑھکر حصہ لیا اُن میں سبز پوش، سرخ پوش، نیلی پوش، پیلی پوش، سیاہ پوش اور سفید پوش خاص طور پر قابل ذکر تھیں - موخرالذکر جماعت زیادہ تر دیہاتیوں پر مشتمل تھی -

اس الیکشن میں جو خوش نصیب ملا برسر اقتدار آیا وہ سبز پوشوں کی جماعت کا امیر تھا - زبان و قلم کا دھنی - آتش بیاں، زود رقم اُس نے اپنے خطبوں اور پمفلٹوں سے ملک میں ھلچل سی مچادی - اور اپنی آواز کو ملک کے گوشے گوشے میں پہنچا دیا - غرض اس زور شور سے پروپیگنڈا کیا کہ انتخاب میں سب سے زیادہ ووٹ اُسی کو ملے - اور سرخ پوش، نیلی پوش، پیلی پوش، سیاہ پوش اور سفید پوش اُمیدوار منہہ دیکھتے ھی رہ گئے -

سبز پوشوں کے امیر نے انتخاب میں کامیابی حاصل کرنے کے بعد سوچا کہ ان مخالف جماعتوں کے نمایندوں کو مجلس شوریٰ میں شامل کر لینا بہتر ھوگا - اس طرح ایک تو اُنکی اشک شوئی ھو جائے گی - دوسرے وہ ملک میں فتنہ و فساد پھیلانے سے باز رھیں گے -

امیر نے کہا: " الگ الگ رنگ بجائے خود کچھ زیادہ وقعت نہیں رکھتے - لیکن جب یہی رنگ یکجا ھو جاتے ھیں تو دیکھو کیسی خوبصورت دھنک بن جاتی ھے - "

یہ مصالحت بڑی کار آمد ثابت ہوئی - چنانچہ مجلس شوریٰ، جس کا کام آمور سلطنت میں امیر کو مشورت دینا تھا پوری قوم کی نمایندہ بن کر اپنا کام بڑی دل جمعی کے ساتھ انجام دینے لگی - امیر نے مجلس شوریٰ کے اجلاس اور دیگر انتظامی آمور سر انجام دینے کے لئے شہر کی جامع مسجد کو پسند کیا - اور اسی کے ایک حجرے میں بود و باش اختیار کی - چنانچہ دن رات جامع مسجد میں مجلس شوریٰ کے جلسے ہونے لگے - اور حکومت کا اصلاحی اور تعمیری کام بڑی سرگرمی سے شروع ہو گیا -

مجلس شوریٰ نے سب سے پہلے اپنی توجہ اس امر پر مرکوز کی کہ پچھلی حکومت کے زیراثر معاشرے کے رگ وپے میں مغربی تہذیب و تمدن کا جو زہر سرایت کر گیا ھے اس کو زائل کیا جائے - چنانچہ تمام انگریزی طور طریقے، لباس، آداب معاشرت یک قلم موقوف کر دئے گئے - بلکہ اس اقدام کو زیادہ موثر بنانے کے لئے "نہ رھے بانس نہ باجے بانسری" کے مصداق انگریزی زبان کی تحصیل ھی کو نصاب تعلیم سے خارج کر دیا گیا -

ملک کی زمام کار امیر نے خود اپنے ھی ھاتھ میں لی - اور پچھلی حکومت کے انتظامی امور کے طریقے، سکرٹریٹ اور اسکے ماتحت جملہ شعبے منسوخ کر دئے گئے - اور انکی پچھلی فائیلوں اور تمام ریکارڈز کو نذر آتش کر دیا گیا - البتہ پولیس اور چنگی کے محکمے بحال رکھے گئے -

تمام اسکول کالج اور یونی ورسٹیاں اور مروجہ طریق تعلیم منسوخ کر دیا گیا - اور اسکے بجائے دینی مدرسے قائم کئے گئے - جو عموماً مسجدوں سے ملحق ہوتے تھے - ان مدرسوں میں فقہ، حدیث، تفسیر وغیرہ علوم شرعیہ اور فن قرات کی تعلیم دی جانے لگی - ملک کا رسم الخط عربی قرار پایا - اور ایک ایسا منصوبہ بروئے کار لایا جانے لگا کہ ایک معینہ مدت کے اندر سارے ملک کی زبان عربی ہو جائے -

فن خوش نویسی کی طرف بھی خاص طور پر توجہ دی گئی نسخ، خط کوفی اور طغریٰ کی تعلیم کے لئے ماہر خوش نویسوں کی خدمات حاصل کی گئیں - علاوہ ازیں ایک بڑا مدرسہ فن حرب اور سپہ گری کی تعلیم کے لئے بھی کھولا گیا - جس میں تلوار، نیزے، گرز اور برچھی بھالے کے استعمال کے گر سکھلائے جانے لگے -

عورتوں کی وہ تمام آزادیاں اور بے پردگیاں جنکی پچھلی حکومت نے کھلے بندوں اجازت دے رکھی تھی کلیتہً ختم کر دی گئیں - علاوہ ازیں انہیں بے حجابانہ گھر سے باہر نکلنے کی بھی ممانعت کر دی گئی - پھر چونکہ بقول ملا نہ تو عورتوں کو مملکت کے انتظامی مناصب دئے جاسکتے تھے اور نہ وہ عہدوں ھی پر فائز ہو سکتی تھیں اس لئے انکے لئے اعلیٰ تعلیم کی ضرورت ھی نہ سمجھی گئی - انکے لئے تو بس اتنا ھی کافی سمجھا گیا - کہ وہ عام اصول دین اور امور خانہ داری جان لیں یا زیادہ سے زیادہ دھوبی کے کپڑوں کا حساب رکھ سکیں -

مجلس شوریٰ نے دوسرا اصلاحی قدم عدالتوں کے باب میں اٹھایا - وکالت کے پیشے کو تو ختم ہی کر دیا گیا کیونکہ وکلا جان بوجھکر حقائق کو چھپاتے اور اپنے پرفریب دلائل سے منصف کو گمراہ کرتے ہیں - اور یہ اسلامی روایات کے سراسر منافی ہے - کورٹ فیس ختم کر دی گئی - کیونکہ اس سے سائل پر مفت کا بار پڑ جاتا ہے - اور وہ اکثر کورٹ فیس کی رقم نہ ہونے کے باعث داد رسی ہی سے محروم رہ جاتا ہے - اسکے ساتھ ہی جج اور میجسٹریٹ کے عہدے بھی منسوخ کر دئے گئے - اور انکے بجائے ہر شہر میں مفتی اور قاضی مقرر کئے گئے - اور اس طرح عدالتی نظام کے لئے کسی لمبے چوڑے عملے کی ضرورت ہی نہ رہی -

اراضی کی ملکیت کے بارے میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ جن زمینوں پر لوگوں کا پہلے سے قبضہ ہو، ان پر انکی مالکانہ حیثیت برقرار رکھی جائے - البتہ لگان کی شرح جریبوں کے حساب اور اجناس کے لحاظ سے مقرر کی جائے - اگر کسی شخص کے پاس زمین ہو - اور وہ اس پر تین سال تک کھیتی باڑی نہ کر سکے - یا اسے تعمیر یا کسی اور کام میں نہ لا سکے - تو وہ زمین متروکہ سمجھی جائے گی - اور اسے دوسرا شخص کام میں لے آئے - تو اس پر عرضی دعویٰ نہ ہو سکے گا -

ملک میں جہاں جہاں افتادہ زمینیں تھیں انکے متعلق اعلان کیا گیا کہ جو شخص انکو آباد کرے اسی کی ملک

هو جائیں گی - فصل کی پیداوار میں زمیندار اور کاشت کار لگان کی رقم منہا کرنے کے بعد برابر کے حصہ دار قرار دئے گئے -

مجلس شوریٰ نے نماز، روزہ، زکوٰۃ، قربانی، اور بشرط استطاعت حج بیت اللہ کو ہر مسلمان پر فرض قرار دیا - اور جو ان احکام شرعی کو انجام نہ دے اس کے لئے دروں کی سزا مقرر کی گئی - جائیداد پر، جس میں اراضی، نقدی، زیور، گائیں بھینسیں، اونٹ گھوڑے، بھیڑ بکری شامل تھی، زکواۃ کی شرح مالیت کا چالیسواں حصہ یعنی اڑھاعی فی صد سالانہ ٹھہری -

مسلمان دولت جمع کر سکتے ھیں - اور اسے کاروبار میں بھی لگا سکتے ھیں- مگر یہ دولت انکے مرتے ھی انکے عزیز و اقارب میں تقسیم کر دی جائے گی - اور اگر کوئی وارث نہ ھو تو ساری رقم بیت المال میں جمع کر دی جائیگی-

غیر مسلم رعایا کو ذمی قرار دیا گیا - انکو زکوٰۃ سے تو مستثنیٰ کر دیا گیا مگر ان پر جزیہ لگایا گیا جو تقریباً ساڑھے تیرہ روپے سالانہ فی کس تھا - البتہ جو ذمی عساکر اسلام میں بھرتی ھونا پسند کریں، ان پر سے جزیہ کی قید اٹھا لی جائیگی - بعض غیر مسلم اقوام نے جزیہ کے خلاف آواز اٹھائی - مگر ان میں جو اھل دانش تھے انھوں نے اپنے ھم مذھبوں کو سمجھایا کہ اس طرح ھمارے امراء اور اھل ثروت کو زکوٰۃ سے چھٹکارا مل جائیگا جو جزیہ سے کئی گنا زیادہ ھو سکتی ھے اور انھوں نے جزیہ دینا منظور کر لیا-

جرائم میں چور کے لئے ھاتھ کاٹنے کی سزا، غیر شادی شدہ زانی اور زانیہ کے لئے سو سو درے اور شادی شدہ کے لئے سنگساری کی سزا مقرر کی گئی ۔

شہروں اور قصبوں میں جہاں جہاں تھیٹر اور سنیما تھے سب کے سب دینی درسگاھوں یا یتیم خانوں میں تبدیل کر دئے گئے ۔ ھوٹلوں اور کلب گھروں کی جگہ سرائیں بنادی گئیں ۔ وہ تمام کھیل جن سے مغربیت جھلکتی تھی مثلاً کرکٹ، فٹ بال، ھاکی، ٹینس، گولف، بیڈ منٹن وغیرہ بند کر دئے گئے ۔ اور آنکے بجائے شہسواری، نیزہ بازی، چوگان بازی، تیراندازی کو از سر نو زندہ کیا گیا ۔ نیز پہلوانی اور گرز زنی کے فن کو بھی فروغ دیا جانے لگا ۔

اسلحہ سازی کے کارخانے سارے ملک میں وسیع پیمانے پر کھل گئے ۔ لوھا اور فولاد ڈھال، تلوار، نیزے، گرز اور برچھی بھالے کی صورت میں ڈھلنے لگا ۔ مسلم رعایا کے ھر فرد کو بصورت مرد ایک تلوار اور بصورت عورت ایک خنجر کا مستحق قرار دیا گیا ۔ چنانچہ جیسے ھی کوئی بچہ پیدا ھوتا حکومت کے اھلکار تلوار یا خنجر لیکر آسکے گھر پہنچ جاتے ۔ تلوار لباس کا جزو بن گئی ۔ یہاں تک کہ سقے بھی کمر پر مشک رکھے پہلو سے تلوار لٹکائے گھروں میں پانی بھرنے لگے ۔ یہی کیفیت دھنیوں اور کھٹ بنوں کی نظر آنے لگی ۔

جب ملک میں تلوار کی مانگ بڑھی اور لوھے کی کمی

محسوس کی جانے لگی ۔ تو مکانوں کے آہنی پھاٹک اور جنگلے قومی ضرورت کے تحت اکھاڑے جانے لگے ۔ ملک میں آتشیں اسلحہ کا ایک کارخانہ بھی کھولا گیا جس میں بندوقیں، رائفلیں، پستول اور انکے کارتوس اور گولیاں بنائی جانے لگیں ۔ لیکن مجلس شوریٰ نے آتشیں اسلحہ کا استعمال سوائے عساکر حکومت کے رعایا کے تمام افراد کے لئے ممنوع قرار دیا ۔

ادب اور شعر و شاعری پر بھی کڑی پابندیاں عائد کردی گئیں ۔ اور عاشقانہ غزلوں نظموں اور گیتوں کو تو ادب سے خارج ہی کر دیا گیا کیونکہ ان سے ملک کی بہو بیٹیوں کے خیالات پر برا اثر پڑنے کا احتمال تھا ۔ البتہ حمد و نعت، رجز، مرثیہ و سلام اور قومی لوریوں کو شاعری میں افضل ترین درجہ دیا گیا ۔ ناول افسانے اور ڈرامے چونکہ من گھڑت قصے ہوتے ہیں ۔ اور دروغ گوئی کو تقویت دیتے ہیں اس لئے معاشرے میں انکی کوئی گنجائش نہ تھی ۔ اخباروں میں ہر قسم کی تصاویر یہاں تک کہ کارٹون تک چھاپنے بند کر دئے گئے ۔ مصوری سنگتراشی، موسیقی وغیرہ کو فنون لہو و لعب قرار دیکر ان کی بھی کلی طور پر ممانعت کر دی گئی ۔

کسب معاش میں ایسے تمام وسیلے حرام قرار پائے جن سے لوگ معاشرے کو اخلاقی یا مادی نقصان پہنچا کر روزی پیدا کرتے ہیں ۔ چنانچہ شراب اور دوسری نشہ آور اشیاء کا بنانا اور بیچنا، عصمت فروشی اور رقص و سرود کا

پیشہ نیز جوا، گھوڑ دوڑ، سٹہ بازی، لاٹری، معمہ بازی بند کر دی گئی - چونکہ سود خواہ کسی بھی شکل میں ہو، حرام ہے اس لئے ملک بھر میں بنک، انشورنس، انعامی بونڈ وغیرہ کے کاروبار قطعاً ممنوع قرار پائے - بنکوں کی تنسیخ کے بعد دوسرے ممالک سے زر مبادلہ کے لین دین کے سلسلے خود بخود منقطع ہرگئے - اور اس کے ساتھ ھی بین الاقوامی منڈیوں میں اجناس کی خرید و فروخت معدوم ہو گئی -

ڈاکٹر اور سرجن کے پیشے بھی ختم کر دئے گئے کیونکہ انکی دواؤں میں شراب کی آمیزش ھوتی ھے - اسکے بجائے طب یونانی اور جراحی کو حکومت کی سرپرستی میں لینے اور نصاب تعلیم میں شامل کرنے کا فیصلہ کیا گیا - نرس کا پیشہ موقوف کردیا گیا -

ان سب پیشوں کو ختم کرنے کا نتیجہ یہ ھوا کہ ملک میں لاکھوں اشخاص بے روزگار ھو گئے - مجلس شوریٰ نے سفارش کی کہ انہیں زمینیں دے دی جائیں تاکہ وہ کھیتی باڑی کر کے اپنا اور بیوی بچوں کا پیٹ پال سکیں - مگر مشکل یہ آن پڑی کہ اچھی اور قابل کاشت زمینیں پھلے ھی سے اور لوگوں کے قبضے میں تھیں - جو باقی بچی تھیں وہ یا تو بنجر تھیں یا ان کی مٹی میں سیم اور تھور کی بہتات تھی - چنانچہ انہیں کھیتی باڑی کے قابل بنانے کے لئے ان لوگوں کو بڑے جتن کرنے پڑے

اور دور دور دریاؤں سے نہریں کھود کھود کر پانی لانا پڑا۔

ہر شخص کو حکم تھا کہ سیدھا سادہ لباس پہنے اور رھنے سہنے میں سادگی اختیار کرے۔ داڑھی رکھے اور لبیں کتروائے۔ کسی قسم کی شان و شوکت کا اظہار نہ کرے۔ نہ فضول خرچی اور اسراف میں پیسہ ضائع کرے۔ آرام طلبی اور تن آسانی کو ترک کرے۔ چنانچہ پیش بندی کے طور پر شہر کی دکانوں سے تعیش کی ساری چیزیں مثلاً ریفریجریٹر، ائیر کنڈیشنر، واشنگ مشین، بجلی کے پنکھے چولھے، استریاں، چینی کے ظروف اور کراکری کا سامان اٹھوا دیا گیا۔ یہاں تک کہ ٹوتھ پیسٹ اور دانتوں کے برش تک کو معاشرے سے خارج کر دیا گیا۔ اس کے بجائے مسواک کے استعمال پر زور دیا گیا۔ کہ اس سے بقول ملا فصاحت بڑھتی ھے۔

علاوہ ازیں عہد حاضر کی تمام اختراعات و ایجادات مثلاً ریڈیو، ٹیلی ویژن، ٹیلیفون، ٹیپ ریکارڈر، ریکارڈ چینجر، کیمرے وغیرہ کی فروخت پر پابندی لگادی گئی۔ بجلی کی روشنی کا بے جا استعمال جرم ٹھہرا۔ کوکا کولا، پاکولا اور تمام انگریزی طرز کے مشروبات ممنوع قرار دئے گئے۔

شہر میں جتنی اونچی اونچی عمارتیں تھیں آنکی صرف آتنی ھی منزلوں کو جائز سمجھا گیا جو جامع مسجد کے گنبد و مینار سے نیچی تھیں، باقی منزلوں کو منہدم کرا دیا گیا۔

چونکہ دوسرے ممالک اور خصوصاً مغربی ممالک کے سفیروں کے قیام سے اُن کے آداب معاشرت کے برے اثرات اهل ملک کے ذهنوں پر پڑنے کا احتمال تھا اس لئے اُن سے کہا گیا کہ آپ یہاں ٹھہرنے کی تکلیف نہ فرمائیں۔ اور اُسی وقت تشریف لائیں جب کسی اهم ملکی یا بین الاقوامی نزاع کے سلسلے میں بالمشافہہ گفت و شنید کی ضرورت ہو۔

مجلس شوریٰ نے مسلمانوں کو ایک مہینے کی مہلت دی کہ وہ اس عرصے میں اپنا شعار اسلامی بنالیں۔ اور متشرع نظر آئیں۔ اسکے بعد جو شخص غیر اسلامی شعار کا نظر آئے گا اُسے دائرہ اسلام سے خارج کر دیا جائیگا۔ وہ چاھے تو کوئی غیر اسلامی مذھب اختیار کرسکتا ھے لیکن اگر وہ مسلم کہلانے پر اصرار کرے گا تو اُسے مرتد تصور کر کے سنگسار کر دیا جائے گا۔

پہلے پہل لوگ اپنا ھی ملکی لباس یعنی کرتا پاجامہ شیروانی ٹوپی پہنتے یا پگڑی باندھتے رھے۔ عربی لباس صرف کبھی کبھار پٹڑی پر کھڑے ھو کر طاقت کی دوائیں بیچنے والے نیم حکیموں ھی کے تن پر نظر آتا تھا۔ مگر ایک دن ایک درزی کو جو سوجھی اُس نے ایک لمبا دگلا سا کرتا زیب بر کیا۔ اوپر ڈھیلی ڈھالی سیاہ عبا پہن، سر پر ایک بڑا سا سفید رومال رکھ، پیشانی پر سنہرے ریشم کی رسی کے دو تین پیچ دے، بازار میں چل کھڑا ھوا۔

یہ شخص خاصا شکیل اور بلند قامت تھا۔ یہ لباس

آسکے جسم پر خوب پھبا - چنانچہ کچھ لوگ آسکے پیچھے پیچھے ہو لئے - وہ کوئی تین چار گھنٹے شہر کے مختلف بازاروں اور چوکوں میں خوب گھوما پھرا - اسکے بعد اپنی دکان پر آ، لباس آتار، باھر ایک کھونٹی پر لٹکا، نیچے یہ عبارت لکھ دی کہ یہ عربی لباس یہاں سے صرف ۲۵ (پچیس) روپے میں دستیاب ہو سکتا ھے - پھر کیا تھا لوگ دھڑا دھڑ آرڈر دینے لگے - ایک دوسرے کی دیکھا دیکھی عربی لباس کی مقبولیت ایک دم بڑھ گئی -

ملاؤں کی حکومت کا پھلا سال ھر پاکستانی کے لئے بے حد صبر آزما ثابت ہوا - خود حکومت کو سخت اقتصادی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا - مگر عوام نے آس کا پورا پورا ساتھ دیا - ملاؤں نے خدا اور رسول کے نام پر اھل وطن سے جو بڑی سے بڑی قربانی بھی طلب کی، آنھوں نے آس سے دریغ نہ کیا - مصائب آٹھائے مگر آف نہ کی - اس کے ساتھ ھی وہ صوم و صلواۃ کے بھی ایسے پابند ہوگئے کہ آن پر کسی محتسب کے مقرر کرنے کی ضرورت ھی نہ رھی - جدھر دیکھو چھوٹے چھوٹے لڑکے سیاہ عبائیں پہنے چھوٹی چھوٹی تلواریں کمر سے لٹکائے ٹولیاں بنا بنا کے ''خنجر ھلال کا ھے قومی نشاں ھمارا'' گاتے ہوئے نظر آنے لگے -

نماز کے اوقات میں مسجدیں نمازیوں سے اس قدر پر ہو جاتیں کہ تل دھرنے کو جگہ نہ رہتی - جمعہ کے روز ھر طرف ایسی چھل پہل دیکھنے میں آتی جیسے کسی تہوار پر نظر آتی ھے -

لوگ اپنے عزیزوں اور دوستوں سے تو اپنی مادری زبان ھی میں بات چیت کیا کرتے ۔ البتہ غیروں اور اجنبیوں سے ٹوٹی پھوٹی عربی میں ھمکلام ھوتے ۔ آدھر عربی لباس تیزی سے رواج پا ھی رھا تھا بس ایسا معلوم ھونے لگا جیسے ملک کو عربستان ثانی بنانے کی ریہرسل کی جا رھی ھو ۔

۴

جہاں تک تہذیب مغربی کی تقلید، زناکاری، شراب خواری، قمار بازی، سود اور عورتوں کی بےپردگی کا تعلق تھا ملاؤں کی حکومت کو ان کی تنسیخ یا ترمیم و اصلاح کے قوانین نافذ کرنے میں کوئی دشواری پیش نہ آئی - کیونکہ ملاؤں کی سبھی جماعتیں سبز پوش، سرخ پوش، نیلی پوش، پیلی پوش، سیاہ پوش، سفید پوش ان کی بیخ کنی پر متفق تھیں - بلکہ ایسے معاملات میں ان کے پیشواؤں میں اس قدر ہم آہنگی پائی جاتی کہ وہ لوگ جو ملاؤں کے مختلف فرقوں میں پھوٹ پڑ جانے کا خدشہ محسوس کیا کرتے تھے، اطمینان کا سانس لینے لگے - کہ بحمد للہ ہمارے اندیشے باطل ثابت ہوئے -

لیکن رفتہ رفتہ جب اسلام کے بنیادی اصول وعقائد ایمان وتقویٰ کا سوال پیدا ہونا شروع ہوا - تو ان فرقوں میں انتشار و کشیدگی کی فضا پیدا ہونے لگی - یوں تو یہ سبھی فرقے اللہ کو ایک، رسول کو برحق اور قرآن کو کلام اللہ سمجھتے تھے - لیکن ان کے جماعتی معتقدات و نظریات ایک دوسرے سے یکسر جداگانہ تھے - جیسے مختلف رنگوں والے

شیشوں کی عینکوں سے منظر کی کیفیت ہی بدل جاتی ہے۔ سبز پوش جن باتوں کو حلال سمجھتے تھے، سرخ پوش انہیں کو حرام - نیلی پوشوں کا جس فقہ پر ایمان تھا، پیلی پوشوں کی نظر میں وہ کفر کے مترادف تھا - ہرچند امیر مملکت نے ہر جماعت کو اپنے اپنے اصول و عقائد پر قائم رہنے کی آزادی دے رکھی تھی، ان کی الگ الگ مسجدیں تھیں، الگ الگ طریق عبادت، الگ الگ مدرسے - اور ایک فرقہ دوسرے پر اپنے عقائد مسلط کرنے کا مجاز نہ تھا - پھر بھی جب کبھی مختلف فرقوں کے لوگ کسی اجتماعی تقریب یا قومی جلسے میں یکجا ہوتے - اور تاریخ یا فقہ کا کوئی مسئلہ زیر بحث آتا تو گفتگو میں تلخی پیدا ہو ہی جاتی -

جس وقت حکومت نے ایک ادارہ تصنیف و تالیف قائم کیا جس کا مقصد ایک مفصل تاریخ اسلام لکھنا اور رسول اکرمؐ خلفائے راشدین اور دیگر اکابر اسلام کے سوانح حیات مرتب کرنا تھا - تو فرقہ دارانہ جذبات اچانک منظر عام پر آگئے - اسکی ابتدا اخبارات سے ہوئی - ایک فرقے کے اخبار نے اپنے مقالہ افتتاحیہ میں اس مسئلے پر یوں روشنی ڈالی :

''یہ کتب اگر کسی نجی ادارے کی جانب سے شائع کی جائیں - تو ہمیں اس پر چنداں اعتراض نہ ہو - قابل اعتراض امر تو یہ ہے - کہ ان پر حکومت کی مہر ہوگی - اور اس طرح یہ پوری قوم کے خیالات کی نمائندہ تصور

کی جائیں گی ۔ اگر حکومت کو یہ کتب شائع کرنا ہی ہیں تو اُس کا فرض ہے کہ وہ ہر فرقے کے نقطہ نظر سے ان کے الگ الگ سلسلے شروع کرے ۔"

اس پر اخبارات میں ایک طویل بحث چھڑ گئی ۔ بعض اسکے حق میں تھے، بعض اسے اسراف بے جا تصور کرتے تھے ۔ اور بعض کا کچھ اور ہی نظریہ تھا ۔ یہ مسئلہ کئی روز تک مجلس شوریٰ کے بھی زیرغور رہا اور جب اس کا کوئی مناسب حل نہ مل سکا ۔ تو امیر نے فی الحال تصنیف و تالیف کا کام ہی رکوا دیا ۔ مگر اب ملک کی فضا مکدر ہونی شروع ہو چکی تھی ۔

بدقسمتی سے اُن ہی دنوں ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس نے مختلف فرقوں کے جذبات کو مشتعل کر دیا ۔ ہوا یہ کہ ایک دن جب سرخ پوش اپنے علاقے کی مسجدوں میں نماز فجر پڑھنے گئے ۔ تو بعض مسجدوں کی دیواروں پر جلی حروف میں ایسے کلمات لکھے ہوئے پائے گئے۔ جن سے اس جماعت کے بعض اکابر کی بےحرمتی ہوتی تھی ۔ اس سے سرخ پوشوں کے غصے اور رنج کی حد نہ رہی ۔ اُن کا ایک وفد امیر کی خدمت میں حاضر ہوا ۔ امیر نے اُسکی شکایت بڑی ہمدردی سے سنی۔ پھر مجلس شوریٰ سے کہا ۔ کہ اس معاملے کی پوری پوری تفتیش کی جائے ۔ اور مجرموں کو گرفتار کر کے قرار واقعی سزا دی جائے ۔

جب دو دن تک مجرم گرفتار نہ کئے جا سکے ۔ تو تیسرے روز اسی قسم کا واقعہ سبز پوشوں کی مسجدوں

میں پیش آیا - سبز پوشوں کو اس امر میں ذرا شک نہ تھا کہ یہ کارروائی سرخ پوشوں نے انتقامی طور پر کی ہے۔ گو سرخ پوش بڑی شد و مد سے اپنی بریت ظاہر کر رہے تھے -

اسی روز سبز پوش نوجوانوں نے اپنے غم و غصے کے اظہار کے لئے نماز ظہر کے بعد ایک جلوس نکالنا ضروری سمجھا - جب تک یہ جلوس آنکے اپنے محلوں میں گھومتا رہا اس سے کسی نے تعرض نہ کیا - یہاں تک کہ نیلی پوشوں، پیلی پوشوں، سیاہ پوشوں اور سفید پوشوں کے محلوں میں بھی خیریت ھی گزری۔ مگر جیسے ھی یہ جلوس سرخ پوشوں کے علاقے میں پہنچا - تو ایک تو وہ بے حد لمبا ھوگیا - دوسرے آسکے نعروں میں زیادہ تندی و تلخی پیدا ھو گئی - ایک آدھ جگہ اینٹ پتھر پھینکے جانے کی خبر بھی آئی۔ مگر شکر ھے کہ بے بنیاد ثابت ھوئی۔ تاھم دونوں فرقوں کے جذبات سخت مشتعل ھوگئے تھے - دونوں طرف کے نوجوان بات بات پر تلواریں سونتے لیتے تھے - اس پر حکومت کے لشکریوں کے لئے بیچ بچاؤ کرنا ضروری ھو گیا۔ اس سعی میں تین چار لشکری زخمی تو ھوئے۔ مگر حالات پر قابو پا لیا گیا -

اگلے روز دونوں فرقوں کے اخباروں نے اس واقعہ پر خوب خوب حاشئے چڑھائے - اور ایک دوسرے پر کھلم کھلا چوٹیں کیں -

امن چین کے چند ھی روز گزرنے پائے تھے کہ ایک

اور واقعہ پیش آیا - جو پہلے سے کہیں زیادہ سنگین تھا - ہوا یہ کہ ایک رات نماز مغرب کے بعد کوئی شخص سیاہ پوشوں کی ایک مسجد میں چپکے سے ایک بم رکھ کر چلا گیا - جب یہ بم پھٹا تو خوش قسمتی سے اُس وقت مسجد میں کوئی نمازی موجود نہ تھا - بس مسجد کا ایک طاق ہی شہید ہوا -

اس واقعے سے لوگوں کی توجہ سرخ پوشوں اور سبز پوشوں کے قضیئے سے ہٹ کر سیاہ پوشوں کی طرف منعطف ہو گئی - سیاہ پوشوں کے اخباروں نے چیخ چیخ کر آسمان سر پر اُٹھا لیا - وہ کئی روز تک اپنی مسجد کے طاق کی شہادت کا سوگ منایا کئیے - یہاں تک کہ اتک اور سانحہ اہل ملک کی توجہ کا مرکز بن گیا - ابکے یہ ہوا کہ پیلی پوشوں کے ایک مجتہد نماز عشاء سے فارغ ہو کر مسجد سے گھر کی طرف جا رہے تھے - کہ کسی نے ایک تاریک گلی سے نکل کر اُن کی پیٹھ میں خنجر گھونپ دیا - اور خود فرار ہو گیا - مجتہد کی چیخ سن کر بہت سے پیلی پوش جمع ہو گئے - کچھ قاتل کی تلاش میں دوڑے - مگر اُس کا کہیں پتہ نہ تھا - مجتہد کو اُٹھا کر مسجد میں لے گئے - مگر اُن کی حالت نازک تھی - زخم کاری لگا تھا - چنانچہ جب فجر کی اذان ہو رہی تھی تو وہ دم توڑ چکے تھے - پیلی پوشوں کے غیظ و غضب کا کچھ ٹھکانا نہ رہا - ایک پیلی پوش اخبار نے سیاہ حاشیوں کے ساتھ اپنے مجتہد کی شہادت پر بڑا پرزور اور دردناک مقالہ لکھا - اُس کا مقطع کا بند یہ تھا :

"قاتل کا اب تک گرفتار نہ ہونا ثابت کرتا ہے کہ یہ واقعہ کسی منظم سازش کا نتیجہ ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ قتل کا منصوبہ پہلے سے بہت سوچ سمجھ کر بنایا گیا تھا۔ اس واقعہ سے اس الم ناک حقیقت کا بھی انکشاف ہوتا ہے کہ حکومت پیلی پوشوں کے، جو اقلیت میں ہیں، جان و مال کی حفاظت سے قاصر ہے۔"

امیر مملکت نے جنہیں اس واقعہ کا انتہائی صدمہ پہنچا تھا، فوری طور پر مجلس شوریٰ کا اجلاس طلب کیا۔ یہ اجلاس کئی دن تک جاری رہا۔ مگر کسی کو کوئی ایسی تدبیر نہ سوجھی جس سے پیلی پوشوں کی اشک شوئی ہو سکے۔ اور حکومت کو اُن کا اعتماد پھر سے حاصل ہو سکے۔

اس اجلاس میں مجلس شوریٰ کے ایک رکن نے کہا:-

"ہمارے پاس اس امر کا کیا ثبوت ہے کہ اس قتل کا یا اس سے قبل کے واقعات کا مرتکب پاکستان کا کوئی باشندہ ہی ہوا ہے۔ اگر وہ پاکستانی ہوتا تو اب تک ضرور اُس کا سراغ مل گیا ہوتا۔ مجھے یقین ہے کہ یہ تخریبی کارروائیاں، ملک میں پھوٹ ڈلوانے کی یہ کوششیں ضرور کسی ایسے ہمسایہ ملک کے جاسوسوں کی ہیں جو ہم سے بیر رکھتا ہے۔ اور ہماری تباہی کے درپے ہے۔ ان دنوں جبکہ آمد و رفت کے وسائل ایسے آسان ہیں نمعلوم کتنے غیر ملکی ایجنٹ پاکستانیوں کا بھیس بنائے پھر رہے ہیں"

کچھ دیر تک اجلاس پر سکوت طاری رہا ۔ اسکے بعد دوسرا رکن بولا: ''ھاں یہ ممکن ھے ۔ لیکن میں پوچھتا ھوں کیا ھمارے اخبارات بھی، جو ملک میں انتشار پھیلا رہے ھیں ھمارے دشمنوں کے ایجنٹ ھیں ؟''

اس پر ایک اور رکن نے کہا: ''ھم نے مغربی تہذیب کی بہت سی بدعتوں کو منسوخ کردیا ۔ مگر افسوس اخباروں کی طرف کسی کا دھیان نہ گیا ۔''

امیر نے، جو اپنے ھی خیالوں میں کھوئے ھوئے تھے اور اس گفتگو سے بے تعلق معلوم ھوتے تھے، ایک آہ سرد بھری اور کہا :

''کاش قاتل پکڑا جاتا !''

ملک کی فضا روز بروز زیادہ بگڑتی جا رھی تھی ۔ اب اکا دکا آدمیوں پر حملے ھونا عام بات ھو گئی تھی ۔ اس پر ملک کی تمام جماعتیں اپنی اپنی حفاظت کے لئے رضاکار بھرتی کرنے لگی تھیں ۔ کیونکہ عساکر حکومت پر سے اُن کا اعتماد اُٹھتا جا رھا تھا ۔ چند ھی دنوں میں سرخ پوشوں، سبز پوشوں، نیلی پوشوں، پیلی پوشوں، سیاہ پوشوں اور سفید پوشوں نے ھزاروں کی تعداد میں رضاکار بھرتی کر لئے ۔ ان رضاکاروں کے دستے اپنی اپنی جماعت کے مخصوص رنگ کی وردیاں پہنے، سوائے بندوق کے باقی سب ھتھیاروں سے لیس، اپنا اپنا پھریرا لہراتے، بڑے بڑے بازاروں اور چوکوں میں کھلے بندوں فوجی مشقیں کرتے

دکھائی دینے لگے - شہر کی تمام دکانیں سرشام ہی بند ہو جاتیں۔ لوگ گھروں میں پہنچتے تو عافیت کا سانس لیتے - کہیں وقت بے وقت آنا جانا ہوتا تو جتھے بنا بنا کر جاتے -

ایک دفعہ ایک بڑے بارونق بازار میں عین روز روشن ایک شخص کی نعش پائی گئی - یہ شخص جو عربی لباس پہنے تھا اوندھے منہہ پٹڑی پر گرا پڑا تھا - اُسکی ناک اور منہہ سے خون جاری تھا - پل بھر میں سبز پوشوں، سرخ پوشوں، نیلی پوشوں، پیلی پوشوں، سیاہ پوشوں اور سفید پوشوں کے ٹھٹ کے ٹھٹ لگ گئے - سرخ پوش کہتے تھے کہ ھمارے آدمی کو ظالم سبز پوشوں نے مار ڈالا - سبز پوش کہتے تھے کہ ایک غریب سبز پوش، سرخ پوشوں کے کینے کا شکار ہو گیا - چونکہ متوفی کسی خاص فرقے کا لباس پہنے ہوئے نہ تھا، اس لئے نیلی پوش، پیلی پوش، سیاہ پوش، سفید پوش بھی اُس پر اپنا حق جتانے لگے تھے - قریب تھا کہ تنازعہ بڑھ جاتا - مگر اتنے ھی میں ایک بے پردہ عورت مجمع کو ھٹاتی ہوئی نعش کے قریب پہنچی - اور اُسکو پہچان کر اُس سے لپٹ گئی - معلوم ھوا کہ متوفی اُس کا شوہر تھا - یہ دونوں سکھ مذھب سے تعلق رکھتے تھے - شوہر عربی لباس پہننے کا بہت شوقین تھا - وہ ادھیڑ عمر تھا - اور کئی برس سے دل کے مرض میں مبتلا تھا - قیاس کہتا ھے کہ اُس پر چلتے چلتے اچانک دل کا دورہ پڑا ہوگا - اور وہ گر کر مر گیا — اور یوں خدا خدا کرکے یہ ھنگامہ فرو ھوا -

غرض صورت حال اس قدر نازک ہو گئی کہ امیر نے عساکر حکومت کے نام حکم جاری کر دیا ۔ کہ اپنے دستے شہر کے ناکوں پر متعین کردو ۔ اور دن رات بازاروں اور گلی کوچوں میں گشت کرتے رہو ۔ اور جہاں مفسدوں اور فتنہ پردازوں کو دیکھو گرفتار کر لو ۔ اور اگر وہ مزاحمت کریں ۔ تو انہیں گولی مار دو ۔ اس میں کسی فرقے یا جماعت کا لحاظ نہ کیا جائے ۔

امیر خود بھی مجلس شوریٰ کے اراکین کے ہمراہ اکثر شہر میں گشت کرتے ۔ وہ ہر فرقے کے لوگوں سے ملتے اور انہیں اتحاد، برد باری اور صبر کی تلقین کرتے ۔ اور جو دن بھی خیر و عافیت سے گزر جاتا اس کی شب کو وہ دیر دیر تک جامع مسجد میں سر بسجود رہتے ۔ اور خضوع و خشوع کے ساتھ شکرانہ خداوندی ادا کیا کرتے ۔

ایک رات وہ جامع مسجد کے صحن میں کچھ زیادہ ھی دیر سجدے میں گرے رہے ۔ جب پہلے صبح کاذب اور پھر صبح صادق نمودار ہوئی تب بھی وہ سر بسجود ھی رہے ۔ پھر جب نمازی حسب معمول صحن مسجد میں نماز فجر کے لئے جمع ہوئے اس وقت بھی انہوں نے سجدے سے سر نہ اٹھایا ۔ اس پر لوگوں کو کچھ تشویش ہوئی ۔ قریب آکر دیکھا تو امیر شہید ہوئے پڑے تھے ۔ زھر میں بجھا ھوا ایک خنجر انکے پہلو میں گھونپا ھوا تھا ۔

امیر مملکت کی شہادت کی خبر آن واحد میں دارالخلافہ

کے گوشے گوشے میں پھیل گئی - پھر کیا تھا اُن کے پیرو سبز پوش غیظ و غضب سے دیوانے ہوگئے- وہ ''القصاص، القصاص'' چلاتے ہوئے سرخ پوشوں کے محلوں کی طرف چڑھ دوڑے - اُدھر گھروں سے سینکڑوں لوگ نیزے تلواریں اور برچھی بھالے لے لے کے نکل پڑے - ہر طرف تلوار چلنے لگی - آہ و بکا، فریاد و فغاں کی صدائیں اٹھنے لگیں- زمین بےگناھوں کے خون سے رنگین ہونے لگی - ''مارو ان ناپاک سبزوں کو!'' ''لینا ان پلید سرخوں کو!'' کے نعرے بلند ہونے لگے - رفتہ رفتہ رنگوں کی کوئی قید نہ رھی - اور نیلے پیلے سیاہ و سفید بھی مار دھاڑ میں شامل ہوگئے - کچھ لوگوں نے مسجدوں پر یورش کی - منبروں کو توڑ پھوڑ ڈالا - مسجدوں کی دیواروں پر بزرگان دین کے ناموں کے جو کتبے لگے تھے اُنہیں نوچ کھسوٹ کر اُتار ڈالا - بعض شقی گھروں میں گھس گئے- اور عورتوں کی بےحرمتی کرنے لگے - عورتیں روتی پیٹتی اور بچے بلکتے تھے - مگر کوئی اُنکی فریاد سننے والا نہ تھا - گھنٹے بھر کے اندر تمام بازار اور گلی کوچے لاشوں سے پٹ گئے -

اُدھر حکومت کے لشکری الگ بندوقیں چلا چلا کر بلوائیوں کو موت کے گھاٹ اُتار رہے تھے - سڑکوں پر ہزاروں لاشیں بےگور و کفن پڑی نظر آنے لگیں -

ابھی یہ ھنگامہ کشت و خون برپا ھی تھا کہ دفعتہً

فضا میں ایسی آوازیں گونجنے لگیں جیسی بمبار طیاروں کے اُڑنے اور ٹینکوں کے چلنے سے پیدا ہوتی ہیں۔

یہ طیارے اور ٹینک پاکستانی عساکر کے نہ تھے......

۵

ایک صحرائے لق و دق ہے جس پر چودھویں کا پورا اور گول چاند اپنی پوری تابندگی کے ساتھ چاندنی بکھیر رہا ہے۔ جس طرف نگاہ اٹھتی ہے ریت ہی ریت دکھائی دیتی ہے۔ جس کے ذرے چاندی کی طرح چمک رہے ہیں۔ ریت میں کہیں نشیب ہیں کہیں فراز۔ کہیں ریت کے اونچے ٹیلے جن پر آهو خرام بےپروا میں مصروف ہیں۔ جب کبھی کوئی قافلہ ادھر سے گزرتا ہے تو یہ آهو چوکڑیاں بھرتے ہوئے کوسوں دور نکل جاتے ہیں۔

دور دور تک آبادی کا نشان نہیں۔ البتہ کہیں کہیں ایسے کھنڈر ضرور پائے جاتے ہیں۔ جن کو دیکھنے سے گمان ہوتا ہے کہ یہاں کبھی کوئی متمدن شہر آباد ہوگا۔ ہر طرف خاموشی چھائی ہوئی ہے۔ جو ایک عجیب اداسی کی کیفیت لئے ہوئے ہے۔

اچانک افق پر کچھ دھبے سے نمودار ہوئے جب کوئی قافلہ آتا ہے تو پہلے یوں ہی دھبے سے دکھائی دیتے ہیں جو رفتہ رفتہ پھیلتے جاتے ہیں۔ اور ایسا نظر آنے لگتا ہے

جیسے کوئی لمبا سانپ بل کھاتا ہوا آرہا ہو۔ رفتہ رفتہ اونٹوں کے گلے میں پڑی ہوئی گھنٹیوں کی آواز حدی خواں کے لحن کے ساتھ مل کر دھیمی دھیمی سنائی دینے لگتی ہے۔ جوں جوں قافلہ قریب آتا جاتا ہے، آوازیں بلند ہوتی جاتی ہیں۔ یہاں تک کہ قافلے کے محافظ لشکریوں کے نیزے چاندنی میں چمکتے ہوئے نظر آنے لگتے ہیں۔

لیکن یہ دھبے جو افق پر نظر آئے۔ نہ تو پھیلے۔ اور نہ انہوں نے سانپ کی شکل ہی اختیار کی۔ البتہ وہ بڑے بڑے ضرور ہوتے گئے۔

نہیں۔ یہ کوئی قافلہ تو نہیں بلکہ چند مسافر ہیں۔ جب یہ قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ چار اونٹ چلے آرہے ہیں۔ جن پر دو مرد اور دو عورتیں سوار ہیں۔ ان چاروں نے مغربی لباس پہن رکھا ہے۔ اگلے اونٹ کی مہار ایک شخص نے پکڑ رکھی ہے۔ جو عربوں کا سا دگلا لباس پہنے اونٹ کے قدم بہ قدم چل رہا ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی انگریز یا امریکن سیاح ہیں جو بندرگاہ کے ہوٹل سے گائیڈ کے ہمراہ چاندنی میں گرد و نواح کی سیر کو نکلے ہیں۔ مرد ادھیڑ عمر ہیں اور عورتیں بھی جوانی کی منزل سے گزر چکی ہیں۔ مگر چاروں چاق و چوبند اور شاداں و فرحاں نظر آتے ہیں۔ ان کے قہقہے اونٹوں کی گھنٹیوں کی آواز میں گڈ مڈ ہو کر اس منظر کی اداسی پر ایک تضحیک کی سی کیفیت پیدا کر رہے ہیں۔

ایک عورت نے اپنی اونچی اور خراش دار آواز میں اپنے ساتھ والے مرد سے کہا :

''ڈک - دیکھو یہاں کا منظر کتنا دل فریب ہے - ذرا گائیڈ سے پوچھو ابھی کتنا اور آگے جانا ہے -''

مگر یہ پوچھنے کی نوبت ہی نہ آئی - کیونکہ گائیڈ چلتے چلتے خود ہی ٹھہر گیا - ساتھ ہی گھنٹیوں کی آواز بھی تھم گئی - چاروں سیاح گردنیں گھما گھما کر گرد و پیش کا منظر دیکھنے لگے - گائیڈ نے کھنکار کر انہیں اپنی طرف متوجہ کیا - پھر وہ ریت پر ایک خاص جگہ جہاں کچھ کھنڈر پتھروں کی صورت میں پڑے تھے، اشارہ کر کے ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں کہنے لگا :

''صاحب - یہی وہ جگہ ہے جہاں غنیم کے حملے سے پہلے ہوٹل موھن جو ڈارو ہوا کرتا تھا - جسکی اکہتر منزلیں تھیں اور جہاں پہلی مرتبہ پاکستانی خلا پیما نے چاند سے ریڈیو پر پیغام بھیجا تھا......''